اس زبان کو وقعت بخشی پھر میرؔ، سوداؔ اور دردؔ نے اس زبان کو زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔ غالب، مومن، ذوق، آتش، مصحفی وغیرہ نے اس زبان کو ایسی روشنی بخشی جو آج بھی پوری طرح روشن اور درخشاں ہے۔

یہ تھی اردو زبان کے آغاز و ارتقاء کی کہانی۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زبان ہندو مسلم اتحاد اور مشترکہ تہذیب کے طور پر وجود میں آئی اور آج بھی یہ مشترکہ تہذیب اور قومی یکجہتی کے چراغ کو روشن کئے ہوئے ہے۔

نام دیو، کبیر اور گرونانک جیسے بزرگوں کے کلام میں بھی اردو کا نقش اول موجود ہے۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں اردو زبان کے ارتقاء کے سلسلے میں فوجیوں، صوفیوں اور بزرگوں کی کوششوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں "زبان دہلی کھڑی بولی کا ارتقاء ایک طرف اردو کی شکل میں خسرو اور دیگر صوفیائے کرام کے ہاتھوں ہو رہا تھا تو دوسری طرف لشکریوں، سپاہیوں اور سادھوؤں کے ذریعہ پنجاب، دکن اور یورپ کے علاقوں میں رواج پا چکی تھی جس کی شہادت ہمیں نام دیو، کبیر داس اور گرونانک کے کلام سے ملتی ہے۔

شمالی ہند میں نشو ونما پانے والی زبان دکن میں چودھویں صدی کے اواخر میں پہنچتی ہے۔ علاء الدین خلجی اور ملک کافور کے حملوں اور صوفیائے کرام کی کوششوں سے دکن میں اردو کے لئے راہ ہموار ہوئی، لیکن اس زبان کی ترقی اور فروغ کے امکانات صحیح معنوں میں اس وقت روشن ہوئے جب محمد بن تغلق نے دولت آباد کو اپنا پایۂ تخت بنایا۔ محمد بن تغلق کے ساتھ ایک بہت بڑی آبادی بشمول علماء وفضلاء وصوفیائے کرام دہلی سے دکن میں منتقل ہوئی۔ اتنی بڑی آبادی کے دکن میں پہنچ جانے سے نئی زبان کو پھلنے پھولنے کا بہترین موقع نصیب ہوا۔ آگے چل کر بہمنی عہد سلطنت اور عادل شاہی اور قطب شاہی سلاطین کے زیر سایہ اس زبان کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ اور معراج العاشقین (خواجہ بندہ نواز)، شہادت الحقیقت (شمس العشاق)، ارشاد نامہ (شاہ برہان الدین جانم)، کلیات محمد قلی قطب شاہ (علی عادل شاہ ثانی)، پھول بن (ابن نشاطی)، پنچھی (وجہدی)، کلیات سراج (سراج اورنگ آبادی) اور کلیات ولی (ولی دکنی) جیسے شاہ کار کارنامے اردو زبان کے فروغ وارتقا کی روشن دلیل ہیں۔

یہ تعجب کی بات ہے کہ اردو زبان شمالی ہند کے مقابلے میں دکن میں دیر سے پہنچی لیکن بہت جلد وہاں ایک وقیع ادبی سرمایہ وجود میں آ گیا۔ شمالی ہند میں ہمیں اس مدت میں کوئی خاص ادبی سرمایہ نظر نہیں آتا۔ یہ زبان بول چال کی زبان رہی اور فارسی زبان کو ادبی حیثیت حاصل رہی۔ ہمیں ادبی سرمایہ کے طور پر بعض بزرگوں کے ملفوظات، امیر خسرو کی تخلیقات، افضل پانی پتی کی بکٹ کہانی اور جعفر زٹلی کی طنزیہ نظمیں ملتی ہیں۔ دہلی میں ولی کی آمد اردو زبان وادب کے لئے نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ شاہ حاتم، آبرو اور مرزا مظہر جان جاناں نے اپنی تخلیقات سے

میں آئی جسے پہلے ریختہ، ہندوی، ہندی اور بعد میں اردو کا نام دیا گیا۔

اس طرح شمالی ہند میں مسلمانوں اور دوسری زبان بولنے والوں کے میل جول سے اردو زبان کے نشو ونما کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ یہ زبان عوام ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ اس زمانے کے فارسی و ترکی شعراء نے بھی اس زبان کی طرف توجہ دی، چنانچہ اس زمانے کے ایک شاعر خواجہ سعد سلمان نے اس نئی زبان میں اشعار کہے ہیں۔ پرتھوی راج نے اپنی راسو میں اس زبان کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ پھر سو سال بعد خسرو نے اپنی پہیلیوں اور مکرینوں میں کھڑی بولی (اردو کی بنیادی اساس) میں اشعار کہے اور اپنے اس ہندوی کلام پر فخر بھی کیا۔ خسرو کے علاوہ اس زمانے میں جو فارسی زبان میں کتابیں لکھی گئیں ان میں چودھری، منڈی، راج، گھڑیال وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کئے گئے۔

اس طرح اس نئی زبان کا دائرہ آہستہ آہستہ وسیع ہوتا گیا۔ اس زبان کو وسعت دینے میں ان فوجیوں کا بڑا ہاتھ ہے جو مختلف علاقوں سے دہلی میں جمع تھے، یہ فوجی آپس میں اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے جو دلی اور اس کے قرب و جوار میں رائج تھی اور یہ رائج زبان کھڑی بولی تھی جس میں پنجابی، ہریانی اور برج بولیوں کی آمیزش تھی۔ یہ فوجیں مختلف علاقوں میں آتی جاتی رہتی تھی، جس سے اس نئی زبان کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ ان فوجیوں کے علاوہ ان مالگذاری وصول کرنے والے ملازمین کی کوششوں سے بھی اس نئی زبان کو فروغ حاصل ہوا، جو عوام سے رابطہ کے لئے مقامی زبان بولتے تھے اور ساتھ ہی فارسی اصطلاحوں سے بھی کام لیتے تھے۔

لیکن اس زبان کے فروغ اور نشو ونما میں صوفیاء اور بزرگان دین کی خدمات سب سے زیادہ ہیں جنھوں نے عوام تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے اس زبان کو اپنا ذریعہ بنایا۔ ان بزرگوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ یہ اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ہر طبقے اور ہر فرقے کے پاس جاتے، اس طرح ان کے پیغام کے ساتھ ساتھ اس نئی زبان کا دائرہ بھی وسیع ہوتا گیا۔ ان بزرگان دین کے مواعظ و ملفوظات میں اس نئی زبان کا عکس واضح طور پر موجود ہے۔ ان بزرگانِ دین میں شیخ فریدالدین گنج شکر، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، شیخ بوعلی قلندرؒ، شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ، شیخ عبدالقادر گنگوہیؒ وغیرہ کی کوششیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان صوفیائے کرام کے علاوہ

مہاراشٹری، شورسینی، ماگدھی اور پشیاچی نامی پانچ پراکرت نمایاں تھے۔

آگے چل کر ان پراکرتوں نے بھی ادبی حیثیت حاصل کرلی اور عوام سے ان کا تعلق منقطع ہوگیا۔ عوام عام بول چال کی زبان بولتے رہے جس میں مختلف بولیوں کی آمیزش ہوتی، اہل علم حقارت سے اس عوامی زبان کو اپ بھرنش یعنی بگڑی ہوئی زبان کہتے، لیکن عوام میں اس کی مقبولیت بڑھتی رہی، اہل علم بھی اس زبان کی طرف متوجہ ہوئے اور دوسری بولیاں بھی اس سے متاثر ہوئیں۔ ان اپ بھرنشوں کی نشوونما شمالی ہند میں ۶۰۰ء سے ۱۰۰۰ء تک ہوتی رہی۔ پھر اس کے ارتقاء کی رفتار رک گئی اور مختلف اپ بھرنشوں سے جدید ہند آریائی زبانوں کی تشکیل کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ اردو زبان کی تشکیل کا بھی یہی زمانہ ہے گرچہ اس کا باقاعدہ ارتقاء مسلمانوں کے ہاتھوں دہلی کی فتح کے بعد شروع ہوا۔

دوآبہ شورسینی پراکرت کا علاقہ تھا، جلد ہی یہ پراکرت شورسینی اپ بھرنش کے علاقہ میں عام ہوگئی۔ اس زبان کو کھڑی بولی اور ہندوستانی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسی زمانہ میں مسلمان اس علاقہ میں عربی و فارسی زبان کے ساتھ آئے۔ عربی و فارسی زبانوں کے الفاظ کھڑی بولی میں داخل ہونے لگے جس سے نئی زبان اردو کے لئے راہ ہموار ہوئی۔ مسلمانوں کی آمد سے اردو زبان کی ترقی کی رفتار میں یقیناً تیزی آئی، لیکن اردو کی ابتدا کو مسلمانوں کی آمد سے منسوب کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ یہ ایک لسانی مظہر تھا جو بہرحال وجود میں آتا۔ گرچہ اس کے وجود میں آنے میں کافی تاخیر ہوتی بقول ڈاکٹر سینی کمار چٹرجی ''اگر مسلمان شمالی ہند میں داخل نہ ہوئے ہوتے تو جدید ہند آریائی زبانوں کے آغاز میں کافی تاخیر ہوئی ہوتی''۔

اس طرح شورسینی اپ بھرنش اور عربی و فارسی زبانوں کی آمیزش سے اردو زبان کے خدوخال نمایاں ہونے لگے اور شمالی ہند میں دوسو سال تک تشکیلی دور سے گذرنے کے بعد تیرہویں صدی میں اس نے اپنے آغاز وارتقاء کا باقاعدہ سفر شروع کیا اس طرح اردو زبان کے آغاز کی وہی تاریخ ہے جو فتح دہلی کی ہے، فتح دہلی کے بعد مختلف علاقوں سے لوگ دہلی آنے لگے، آنے والے لوگوں میں زیادہ تر لوگوں کی زبان پنجابی تھی اور نواح دہلی میں ہریانی، کھڑی بولی، برج بھاشا اور میواتی زبانیں بولی جاتی تھیں ان زبانوں کے لسانی امتزاج سے ایک نئی زبان وجود

اردو زبان کا آغاز وارتقاء

کسی بھی زبان کے آغاز وارتقاء کی داستان کچھ مخصوص تہذیبی ومعاشرتی حالات سے جڑی ہوا کرتی ہے۔ وہ اپنی ترقی یافتہ شکل اختیار کرنے سے پہلے مختلف مراحل سے گذرتی ہے۔ اسے رنگ وروپ بخشنے اور نکھارنے سنوارنے میں مختلف عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ اردو زبان جو آج کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک زبان ہے اسے بھی معرض وجود میں آنے سے پہلے مختلف مراحل سے گذرنا پڑا۔ ان مختلف مراحل اور تہذیبی ومعاشرتی عوامل کو سمجھنے کے لئے ہمیں ماضی کی طرف پلٹنا ہوگا۔ جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے قدیم باشندے دراوڑ تھے۔ آریہ قوم باہر سے آئی اور مقامی باشندوں کو پیچھے ڈھکیل کر ملک پر قابض ہوگئی۔ آریہ قوم ملک میں ایک تہذیبی طاقت بن کر ابھری۔ ان کی زبان کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی، مقامی باشندوں سے میل جول کی وجہ سے آریاؤں کی زبان متاثر ہونے لگی اور بہت سے لفظوں کا تلفظ کچھ سے کچھ ہوگیا، آریاؤں نے اپنی زبان کو منظم اور محفوظ رکھنے کے خیال سے اسے قواعدی اصولوں سے جکڑ دیا اور اپنی زبان میں صرف ٹکسالی الفاظ باقی رکھے۔ مقامی اثرات سے پاک وصاف ہوکر ان کی زبان نے اپنا معیار باقی رکھا اور اس معیاری زبان نے سنسکرت (شستہ) کا نام پایا۔ اس زبان کو کافی فروغ حاصل ہوا۔ لیکن اس کا رشتہ عوام سے کٹ گیا اور وہ ایک مخصوص دائرے تک سمٹ کر رہ گئی۔ عوام کی زبان مختلف علاقوں میں تھوڑے فرق کے ساتھ ایک خاص رسم خط میں موجود رہی اور اسے پراکرت کا نام دیا گیا۔ یہ پراکرت برابر ترقی کرتی رہی اور مختلف علاقوں میں وہ مختلف روپ اختیار کرتی رہی۔ اس زمانے میں